Al-Mahdi Research Journal
Vol. 03, No. 02 (July-Dec 2022)
ISSN (p): 2789-4142 ISSN (e):2789-4150

ضیاءالنبی کی روشنی میں کلامیات سیرت کی مباحث کا تحقیقی جائزہ

Research review of the discourses of Kalaamiyat_e_Sirah in the light of Zia-ul-Nabi

Anwar ul Haq[1]
Hafiz Abdul Khaliq[2]

Abstract:

This research paper reviews the discourses of "Kalamiyat e seerat" in the light of "Zia un Nabi". The topic statement is that "Kalamiyat e seerat" is a valuable source of knowledge and understanding of the life of Prophet Muhammad (PBUH) and his teachings. The aims and objectives of this research paper are to explore the discourses of "Kalamiyat e seerat" and to analyze the relevance of "Zia un Nabi" in understanding the life and teachings of Prophet Muhammad (PBUH). The research questions are: What are the discourses of "Kalamiyat e seerat"? What is the significance of "Zia un Nabi" in understanding the life and teachings of Prophet Muhammad (PBUH)? The significance of this research is that it provides an in-depth understanding of the discourses of "Kalamiyat e seerat" and the relevance of "Zia un Nabi" in understanding the life and teachings of Prophet Muhammad (PBUH). This research contributes to the body of knowledge by providing an analysis of the discourses of "Kalamiyat e seerat" and the relevance of "Zia un Nabi" in understanding the life and teachings of Prophet Muhammad (PBUH). Overall, this research paper provides a comprehensive review of the discourses of "Kalamiyat e seerat" in the light of "Zia un Nabi". It is an invaluable source of knowledge and understanding of the life and teachings of Prophet Muhammad (PBUH).

Key Words: Sira_e_Tayyaba , Zia_un_Nabi, Ilm_ul_Kalam, Mojzat, Nabowat, Taudd_e_Azwaaj

تعارف

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ایک مایہ ناز صوفی وروحانی بزرگ، مفسر، سیرت نگار، صحافی، ماہر تعلیم، صاحب طرز ادیب اور دیگر بیشمار خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ یکم جولائی ۱۹۱۸ بھیرہ شریف میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں پرائمری سکول میں داخل ہوئے۔ اور 1936ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1941ء میں اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا اور فاضل عربی میں شیخ محمد عربی، مولانا نورالحق، جناب رسول خان صاحب سے علم حاصل کیا۔ اور 600 میں سے 512 نمبر لیکر پنجاب بھر میں اول پوزیشن سے فاضل عربی کا امتحان پاس کیا۔ عقلیہ و نقلیہ علوم سے فراغت کے بعد 1942ء سے 1943ء دورہ حدیث شریف مکمل کیا۔ 1941ء میں جامعہ پنجاب سے B.A کا امتحان نمایاں پوزیشن سے پاس کیا۔ ستمبر 1951ء میں جامعۃ الازہر داخلہ لیا، M.A اور M.Phil میں نمایاں کامیابی حاصل کرتے ہوئے مصر تقریباً ساڑھے تین برس کا عرصہ گزارا۔ 1981ء میں 63 برس کی عمر میں وفاقی شرعی عدالت کے جج مقرر ہوئے 16 برس تک فرائض کی پاسداری کرتے ہوئے متعدد تاریخی فیصلے کیے جو عدالتی تاریخ کا حصہ بن چکے۔ 7 اپریل 1998ء طویل علالت کے بعد آپ کا وصال ہوا۔ سینکڑوں مشائخ اور ہزاروں علماء نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔ متعدد تصانیف لکھیں اور ماہنامہ ضیائے حرم جاری کیا۔ آپ کی مایہ ناز تصنیف تفسیر "ضیاء القرآن" ہے جسے آپ نے 19 سال کے طویل عرصہ میں مکمل کی۔ اس کے بعد دوسری غیر معمولی شُہرت یافتہ سیرت کے موضوع پر لکھی جانی والی "ضیاء النبی" مایہ ناز اوردور جدید میں اردو ادب کا بینظیر شہپارہ ہے اور بلا شک وشبہ اپنے سے ماقبل لکھے جانے والے ہر ادبی شہپارے سے اپنے اسلوب نگارش اور طرز تحریر میں نمایاں طور پر ممتاز ہے۔ جہاں تک سیرت نگاری کا تعلق ہے تو "ضیاء النبی" اردو سیرت نگاری میں ایک درخشان اور ممتاز باب ہے اور موضوعاتی جامعیت کے اعتبار سے "ضیاء النبی" نہ صرف اردو زبان میں تحریر کردہ ہر کتاب سیرت طیبہ سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے بلکہ اردو کتب سیرت پر فوقیت رکھتی ہے اور اس امر کا بھی باخوبی ادراک ہے کہ "ضیاء النبی ﷺ" کی پہلی اور آخری دو جلدیں بے مثال ہیں۔ اور کتب سیرت کے مطالعہ میں کوئی بھی محقق ضیاء النبی سے انحراف نہیں کر سکتا۔ تاہم اولاً موضوع کی مناسبت سے علم الکلام کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

لغوی اعتبار سے کلام "ک، ل، م" سے لیا گیا ہے۔ اَلْکَلْمُ مصدر ہے اور یہ دو معنی کیلئے آتا ہے۔

۱۔ بامعنی بات پر دلالت کرنا ۲۔ زخمی کرنا

اصطلاح میں "ما يتلفظ به الانسان"، یعنی "انسان جس کے ساتھ تلفظ کرے۔"[3]

اس کو کلام کہتے ہیں۔

علم الکلام میں عقائد و نظریات موجود ہوتے ہیں مگر عقلی دلائل کے ذریعے ان کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مزید وضاحت کیلئے علم الکلام کی شرعی تعریف کرتے ہیں۔

علم الکلام کی شرعی تعریف

''هُوَ عِلْمُ التَّوْحِيْدِ وَالصَّفَاتِ الْمَوْسُوْمُ بِالْكَلَامِ الْمُنْجِىْ عَنْ غَياهبِ الشُّكُوْكِ وَ ظُلُمَاتِ الْاَوْهَامِ''[4]

''وہ علم توحید والصفات جس کا نام کلام رکھا گیا ہے (وہ علم الکلام) جو شکوک کے اندھیروں اور وہموں کی تاریکیوں سے نجات دلانے والا ہے۔''

یوں کہا جائے تو بجا ہوگا کہ علم الکلام ایسا علم ہے جس کا مقصد اسلامی عقائد و نظریات کی حقانیت کو ازروئے عقل محکم و مضبوط دلائل سے ثابت کرنا اور ان میں پیش آنے والی خرابیوں اور توہمات کو دور کرنا ہے تاکہ اسلامی عقائد کی اصل شکل برقرار رہے جو حضور نبی کریم (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اور صحابہ کرام و تابعین کے دور میں تھی۔[5]

کلامیات سیرت کے مفہوم میں ڈاکٹر محمود غازی لکھتے ہیں:

''کلامیات سیرت سے مراد وہ موضوعات ہیں جو اصلاً علم کلام سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن سیرت کے واقعات یا سیرت کے حقائق سے ان کا گہرا اور قریبی تعلق ہے۔اسی طرح کلامیاتِ سیرت میں وہ واقعات بھی شامل ہیں جو اصلاً سیرت تعلق رکھتے ہیں۔ مگر ان کے معانی و مطالب کے لئے کلام کا مطالعہ ضروری ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سیرت کے بعض اہم واقعات کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جو علم کلام سے تعلق رکھتے ہیں اور علم کلام کے مباحث میں گئے بغیر ان میں سے واقفیت دشوار ہے۔یہ مشترک موضاعات جو علم کلام اور سیرت سے تعلق رکھتے ہیں ان کو کلامیاتِ سیرت کے عنوان سے یاد کیا جاسکتا ہے۔''[6]

علم الکلام کا ارتقائی منازل

اسلام کے ابتدائی دور میں علم الکلام کی حاجت نہ ہونے کے درج ذیل اسباب تھے:

1. رسولِ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی صحبت کی برکت۔
2. صحابہ کرام اور تابعین کے عقائد کا پختہ ہونا۔
3. رسولِ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانے سے قریب ہونا۔
4. اختلافات کا کم ہونا۔

لیکن جیسے وقت عہدِ رسالت (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) سے دور جاتا گیا اور مختلف گمراہ فرق اور انکی گمراہ کن تاویلات زور پکڑنے لگیں تو علمائے حق نے ان کی بیخ کنی منطق و استدلالِ عقلیّہ سے رد کیا جس بنیاد پر علم الکلام کا آغاز ہوا۔

ابتدائی زمانہ میں عقلیات کا زور کم تھا اور لوگوں میں گمراہیات بھی کم تھی جوں زمانہ گزرا فلسفہ اور عقلیات نے زور پکڑا تو علماء نے بھی لامحدود انداز میں ان کا رد کیا عصر جدید میں بھی غیر مسلموں نے اسلام پر بے جا اعتراضات کئے وقت ضرورت محسوس کرتے ہوئے پیر کرم شاہ الازہری نے ان نظریات کا احسن انداز میں رد کیا۔

نسب رسالت مآب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جلد ہفتم سیرت طیبہ پر مستشرقین کے اعتراضات و الزامات کا تذکرہ ہے اور ان کے مدلل جواب دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے مستشرقین نے حفاظت حدیث پر جو اعتراضات کیے اور ان کے اس اعتراض کے رد میں تدوین حدیث کے تمام عہد اور کتاب حدیث کے مروجہ تمام طریقوں پر بحث کی گئی ہے اور احادیث طیبہ کے متعلق مستشرقین ہی کی مثبت آراء پیش کی گئی ہیں۔ اس کے بعد نبی کے نسب پر کیے گئے اعتراضات کا رد کرنے کے لیے نبی نسل اسماعیل سے ہونا تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم کے سماجی مقام کو کم کرنے کے لیے آپ پر مرگی کے مریض ہونے کا الزام، آپ کے اخلاق و کردار پر حملے، تعدد ازواج پر مستشرقین کے اعتراضات اور حضور کی تمام فوجی مہموں، غزوات و سرایا پر کو نبی کی تشدد پسند کاروائیاں قرار دینے کا الزام، ان سب کی تردید کی گئی ہے اور قرآن، حدیث اور بائبل سے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مستشرقین جن کی نبی کے بارے میں منصفانہ رائے ہے ان کی نبی کی ذات اقدس کے بارے میں آراء بھی پیش کر دی گئی ہیں اور ان معاندین اسلام کا منہ توڑ جواب پیش کیا گیا ہے۔ ضیاء النبی ۱۹۹۴ء میں مقابلہ کتب سیرت میں اول مقام کی حقدار قرار پائی۔ عصر حاضر کی سیرت کتب میں یہ کتاب بلند درجہ رکھتی ہے۔ صاحب کتاب نے عربی، اردو اور انگریزی زبانوں سے اچھی واقفیت کی بنا پر کتاب میں ان تمام ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ نیز اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی چھٹی اور ساتویں جلد باقاعدہ مستشرقین پر قرآن و سیرت پر کیے گئے اعتراضات اور اسلام، قرآن و سیرت کے دفاع میں مدلل مدافعتی طرز پر تحریر کی گئی ہے۔ یہ پیر کرم شاہ الازہری کی ایک بہترین کاوش ہے۔

ضیاء النبی میں رسول اللہ ﷺ کے انساب کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کہاں سے کہاں تک نسب نامہ مصطفیٰ میں اختلاف نہیں ہے اور کس مقام پر اختلاف واقع ہے مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب کا حصہ اول ہی متفق علیہ ہے اور اسی میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس لیے ہم ذیل میں (اوپر سے نیچے کی ترتیب سے) ان کی مختصر حیات اور چند خصوصیات اور زندگی کے کچھ اہم کارناموں کو بیان کر رہے ہیں جو خاندان رسالت کی عظمت اور جاہ و جلال کو واضح کرنے کے لیے کافی ہو گا۔[7]

نبوت کی ماہیت و حقیقت

پیر کرم شاہ الازہری امام غزالی کی تصنیف ''المنقذمن الضلال'' کے حوالہ سے نبوت کی ماہیت و حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' پیر محمد کرم شاہ ان کی عبارت کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں: ''جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالی کے ان گنت اور بے شمار جہانوں سے وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ اس میں سب سے پہلے لمس یعنی چھونے کی حس پیدا کی جاتی ہے اس قسم کی تخلیق سے موجودات کے متعدد انواع و اقسام اس پر بے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وہ حرارت اور ٹھنڈک خشک و تری، علائم و درشت امور کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ لیکن رنگ و روپ و نغمہ و صورت کی دنیا سے وہ محض بے خبر ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک گویا ان اشیاء کا کوئی وجو ہی نہیں۔ پھر اس کو بینائی عطاء کی جاتی ہے۔ جس سے دور گلوں، شکلوں اور صورتوں کے عالم سے آگاہ ہونے لگتا ہے۔ اس سے اس کی دنیا پہلے سے وسیع تر ہو جاتی ہے لیکن آواز اور کسی شے کے شیریں اور تلخ ہونے کا اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا گویا صوت و آہنگ اور شیریں و تلخ کا جہان اس کے لیے ابھی کتم عدم سے منصہ شہود پر آیا ہی نہیں۔ بعد ازاں اسے ذوق کی نعمت سے نوازا جاتا ہے اب وہ میٹھے کڑوے پھیکے اور ترش و

غیرہ آشیاء کو بھی پہچاننے لگتا ہے۔ اس طرح وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتا رہتا ہے۔ جب اس کی عمر سات سال کے قریب ہوتی ہے تو اسے قوت تمیز سے بہرہ ور کر دیا جاتا ہے جس سے پہلے وہ بے بہرہ تھا۔ جب اس میں قوت تمیز کی آنکھ کھلتی ہے تو اسے ایک انوکھی حالت سے دوچار کر دیا جاتا ہے جو پہلے اسے میسر نہ تھی۔ صلاحیتوں کی نشو و نما میں اس کی پیش رفت جاری رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اس منزل تک بھی جاتا ہے جب عقل کی قوت اس میں تخلیق کی جاتی ہے اس قوت سے وہ واجبات، فرائض ممکنات اور مستحیلات و غیرہ وامور پر آگاہی حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ امام فرماتے ہیں: ''اس عقل و فہم کی حالت سے ماوراء ایک اور حالت ہے جس میں انسان کی وہ آنکھ کھلتی ہے جس سے وہ امور غیبیہ کو اور جو کچھ آئندہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والا ہے اس کو دیکھنے لگتا ہے۔ یعنی وہ امور کہ جن کو سمجھنے سے عقل عاجز تھی جس طرح قوت تمیز عقل مدرکات کے فہم سے عاجز تھی بعینہ اسی طرح حواس ظاہری مدارکات تمیز پالینے سے بے بہرہ اور بے بس تھے۔''[8]

اس مفصل بحث کا خلاصہ حجت الاسلام امام غزالی اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔'' جس طرح عقل انسان کی ایک مخصوص حالت کا نام ہے جس سے انسان کو وہ آنکھ ملتی ہے جس سے وہ معقولات کے مختلف انواع کو دیکھنے لگتا ہے جن کے ادراک سے حواس بے بہرہ ہوتے ہیں پس نبوت بھی اسی طرح ایک مخصوص حالت کا نام ہے۔ جس میں نبی کو وہ آنکھ ارزانی ہوتی ہے جو روشن اور بینا ہوتی ہے جس کے انوار کی روشنی میں غیب اور وہ امور نظر آنے لگتے ہیں جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہیں۔''[9]

معجزات کی ماہیت و حقیقت

اللہ تعالی جب اپنے کسی مقبول بندے کو دعوت حق کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس کی ذات کو گوناں گوں خوبیوں کا مرقع زیبا بنا کر بھیجتا ہے۔ اس میں کوئی جسمانی عیب نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے لوگ اس سے نفرت کریں۔ اسی طرح اس کا کردار بھی اتنا بے داغ اور دل ربا ہوتا ہے کہ سلیم الطبع لوگ اس کی دعوت کو قبول کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کرتے۔ در حقیقت اس ہستی کے قول و فعل ہی اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اتنے متعصب اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں کہ وہ دعوت حق کو کسی طرح قبول کرنے لیے آمادہ نہیں ہوتے. حق اگرچہ ان کے سامنے آفتاب عالم تاب کی طرح عیاں ہوتا ہے۔ لیکن ان کے ذاتی مفادات، ان کے علاقائی اغراض، نسبی اور لسانی عصبیت انہیں اجازت نہیں دیتی، کہ وہ اس دعوت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، جس کی صداقت کا انکار کرنے کی انہیں ہمت نہیں ہوتی۔ سرور عالم، ہادی بر حق ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کے علماء اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ وہی نبی موعود اور رسول منتظر ہیں جن کا ان کی آسانی کتب میں بار بار وعدہ فرمایا گیا ہے لیکن ان کی ہٹ دھرمی ان کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اس نبی مکرم پر ایمان لے آئیں، جس کے نام کا واسطہ دے کر وہ اللہ تعالی سے دشمنوں پر غلبہ کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یہ تو اہل کتاب کا طرز عمل تھا جو انہوں نے حضور ﷺ کے بارے میں اپنایا تھا اور حضور ﷺ سے پہلے جو انبیاء کرام تبلیغ کے لیے تشریف لائے ان کے ساتھ بھی کم و بیش ان کی امتوں کا نہیں طرز عمل تھا چنانچہ قرآن کریم نے سورہ حجر میں ارشاد فرمایا:

''وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ، وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ'' [10]

''اور بیشک ہم نے آپ سے پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے۔ اور ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آتا تھا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔''

اللہ تعالی نے تمام انبیاء ورسل کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے انہیں معجزات عطاء فرمائے، نبی آخر الزماں ﷺ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا، اسلام دشمنی میں وہ اپنے پیش رووں سے کم نہ تھے۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور فرزندان اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں بغض وعناد کے جو آتش کدے بھڑک رہے تھے وہ ان کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ ان کو صادق وامین کے باوجود ان کی دعوت کو قبول کریں۔ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم دشمنان دین وایمان کو دعوت حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو بھی معجزہ کا ہتھیار عطا فرمایا۔ اس کے بعد جسٹس پیر محمد کرم شاہ معجزہ کی یوں تعریف کرتے ہیں:۔ مجید کی تعریف معجزہ اس امر کو کہتے ہیں: ”جو عادت کے خلاف وقوع پذیر ہو، اور معجزہ دکھانے والا منکرین کو اس معجزہ کے ذریعے چیلنج کرے کہ اگر تم مجھے اللہ کا سچا رسول نہیں سمجھتے تو میرے چیلنج کو قبول کرو۔“[11]

مذکورہ تعریف میں علمائے اسلام کے نزدیک معجزہ اس کو کہا گیا ہے جو عادت کے خلاف ہو، معجز کی یہ تعریف نہیں کی گئی جو عقل کے خلاف ہو، جو لوگ معجزات کا انکار کرتے ہیں وہ بغیر سمجھے قرآن پاک کی اس قسم کی آیات سے استدلال کرتے ہیں:” وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا “[12] کہ اللہ تعالی کے طریقہ کار میں کوئی تبدیلی رو پذیر نہیں ہوسکتی۔” وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا “[13] اور تم اللہ کے طریق کار میں کوئی تغیر نہیں پاؤ گے۔

اس قسم کے معجزات اللہ تعالی نے اپنے تمام انبیاء ورسل کو عطاء فرمائے، ان معجزات کو دیکھ کر وہ لوگ جن کے دلوں میں حق قبول کرنے کی ادنیٰ سی رمق بھی ہوتی وہ کفر وعناد سے باز آکر حق کے سامنے سر تسلیم ثم کرلیتے۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے دو قسم کے معجزات کو کر فرمایا ہے۔

(۱) عالم علوی سے متعلق معجزات

(۲) عالم سفلی سے متعلق معجزات

ذیل میں عالم علوی سے متعلق معجزات کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں:

”اللہ تعالی نے جس طرح اپنے حبیب مکرم ﷺ کو دیگر جملہ انبیاء ورسل پر فضیلت عطاء فرمائی تھی اور اعلیٰ مراتب پر فائز کیا تھا اور حضور ﷺ کی دعوت عامہ کو زمانی اور مکانی حدبندیوں کا پابند نہیں کیا تھا اسی طرح سرور عالم ﷺ کے معجزات بھی بے حد وبے شمار ہیں اور ان میں سے کثیر تعداد حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ سرور عالم ﷺ کے وہ معجزات جو کثیر التعداد صحابہ نے اور ان سے پھر تابعین، ان سے تبع تابعین نے اسی طرح روایت کیے ہیں ان کے قلمی ہونے پر کسی کو شک وشبہ نہیں اور وہ معجزات جو اخبار احاد سے کم تک ہیں علمائے حدیث نے تحقیق کے جو قواعد وضوابد مقرر کیے ہیں ان پر جس معجزہ کی روایت میں ثابت ہوتی ہے اس کے سائے میں کیا سچا مومن کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہمارے سامنے ان روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے جن میں صحابہ کرام نے اور ان کے شاگردوں نے اپنے آقا ومولی ﷺ کے معجزات بیان کیے ہیں۔ جن کا صدق دل سے مطالعہ کیا جائے تو سرور کائنات فخر موجودات کی عظمت کا نقش دل پر ثبت ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ کا معجزہ قرآن

جب محبوب رب العالمین ﷺ کی بعثت کا زمانہ آیا اور اس کے لیے نگاہ قدرت نے جزیرہ عرب کو منتخب فرمایا تو وہاں کے کہنے والوں کو فصاحت و بلاغت میں جو ملکہ عطاء فرمایا گیا تھا کوئی قوم ان کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے اسی جوہر فصاحت پر ناز کرتے ہوئے ابل عرب اپنے سوا تمام اقوام عالم کو عجمی یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔ اور اہل عرب فصاحت و بلاغت کے میدان کے شاہ سوار تھے۔ وہ اشعار اور جملوں کے الطائف و باریکیوں سے پوری طرح آگاہ تھے اس لیے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالی جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی نے اپنے نبی کریم ﷺ وہ معجزہ عطاء فرمایا ہے ہم قرآن مجید فرقان حمید کہتے ہیں۔ جو فصاحت و بلاغت کا ایک عدیم المثال نمونہ تھی۔ اس کی کی قدر و منزلت وہی لوگ جان سکتے تھے جو اس بحر کے غواص تھے اور جب وہ دیکھتے تھے کہ قرآن کریم کی جو آیتیں انہیں پڑھ کر سنائی جارہی ہیں وہ انہی الفاظ و کلمات سے مرکب ہیں جن سے ان کے اشعار یا خطبے مرکب ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم کے انداز فصاحت کے مقابلہ میں ان کا کلام کو کوئی معنی نہیں رکھتا تو ان کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا کوئی مشکل نہ رہتا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ورنہ ہم بھی اپنی انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے اس جیسا کلام پیش کر سکتے بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے۔" پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اعجاز قرآن کی جو وجوہات بیان کی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی ایک وجہ ایمان ہے۔ اور ایجاز کا مفہوم علمائے معانی نے یہ بیان کیا ہے۔

"الفاظ کی تعداد بہت کم ہو اس کے باوجود اس کے دامن میں لطائف و حکم کے جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہوں وہ بے کراں ہوں۔"

چند الفاظ میں کثیر التعداد معنی کو سمو دیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر اس آیت قرآنی کا مطالعہ فرمائیں:

" وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ " [14]

اس میں صرف تین الفاظ ہیں لیکن اس میں جو معانی و معارف بیان کیے گئے ہیں ان کی کوئی انتہاء نہیں۔ ان دو کلمات میں قاتل کی سزا بھی بیان کر دی اور اس میں جو حکمتیں مضمر ہیں ان کو بھی واضح انداز میں بیان کر دیا۔ اس آیت کریمہ میں قانون قصاص کی علت و حکمت بیان کی جاری ہے یعنی اگر بے گناہ قتل کرنے والے کو اس کے جرم کے برابر پوری سزا نہیں دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل وغارت کا بازار گرم کر دیں گے لیکن اگر قاتل کو اس کے جرم کے بدلے قتل کر دیا جائے تو دوسرے مجرم بھی اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آجائیں گے۔ اسی طرح ایک قاتل کو قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل وغارت سے بچ جائیں گی۔۔ قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی دوسری وجہ قرآن کا اور غیبیہ پر آگاہ کرتا ہے۔

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ " [15]

"بے شک ہم نے اتارا ہے اس ہو کر قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم بھی اس کے محافظ ہیں۔"

چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اس عرصہ میں سیکڑوں خونی انقلابات برپا ہوئے، کئیں خاندان عزت کے آسمان پر چمکے اور غروب ہو گئے کئیں بستیاں آباد ہوئیں اور اجڑ گئیں، اس کے باوجود اللہ تعالی نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق کتاب مقدس کی حفاظت فرمائی۔ بڑی بڑی اسلام دشمن طاقتیں بر سر اقتدار آئیں اور کوشش کے باوجود اس کے ایک نقطہ کو بھی نہ بدل سکیں۔ کیا یہ بات اس دعویٰ کی روشن دلیل نہیں ہے کہ جس نے یہ آیت نازل کی وہ کوئی انسان نہیں بلکہ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اور اس نے جو وعدہ فرمایا، دنیا کی

کوئی طاغوتی طاقت اس کے خلاف نہیں کر سکتی۔ جس نے اس کتاب کو اتارا وہی اس کی ہر تحریف اور ہر تغیر و تبدل سے حفاظت کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔

عالم سفلی سے متعلق معجزات کی مثالیں

غزوہ خیبر کا مشہور واقعہ ہے کہ جب بار بار کی کوشش کے باوجود ایک قلعہ فتح نہ ہو تو اللہ کے محبوب رسول ﷺ نے فرمایا:

"کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول بھی محبت کرتے ہیں، اس کے ہاتھ پر اللہ تعالی لشکر اسلام کو فتح عطاء فرمائیں گے۔"[16]

پھر سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علی المرتضی کو بلا بھیجا وہ آشوب چشم کی بیماری میں مبتلا تھے آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں لایا گیا۔ رحمت عالم ﷺ نے علی المرتضی کے سر کو اپنی گود مبارک میں رکھا پھر آپ کی دونوں آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا۔ درد کا نام ونشان تک نہ رہا۔ آنکھوں کی سرخی غائب ہو گئی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو آشوب کی کبھی شکایت ہوئی ہی نہیں۔

حضور ﷺ نے اپنی زبان فیض ترجمان کو جنبش دی، چند کلمات اپنے رب کریم کی بارگاہ میں عرض کیے اور لوگوں کی بگڑی بنادی۔ شقاوت کو سعادت میں بدل دیا، کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر شاہراہ ہدایت پر گامزن کر دیا۔ اور دلوں کو جذبات محبت سے لبریز کر دیا اور دلوں کو وہ بینائی بخشی جو حق و باطل میں اس طرح باآسانی اختیار کر سکے جس طرح ظاہری آنکھیں سفید و سیاہ میں اختیار کر سکتی ہیں۔ یہ معجزات بھی کثرت سے ظہور پذیر ہوئے اور محدثین کرام نے ان کو بڑے ذوق و شوق اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے صحف نیزہ میں قلم بند کیا۔ امام بخاری اور مسلم دونوں نے وہ دعاء نقل کی ہے جس سے رحمت عالم ﷺ نے حضرت ابن عباس کو سرفراز فرمایا تھا:

"اے اللہ ابن عباس کو دین کی سمجھ عطاء فرما"[17]

یہ دعاء یوں مقبول ہوئی کہ وہ حبر اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشرق و غرب میں مشہور ہوئے۔ علم تفسیر، فقہ میراث، عرب کے اشعار اور ان کے مشہور تاریخی دنوں کو ان سے بہتر جانے والا کوئی اور نہیں تھا۔ یہ سب سرور عالم ﷺ کی دعاء کی برکت کا نتیجہ تھا۔

خصائص نبوی ﷺ کی ماہیت و حقیقت

پیر کرم شاہ الازہری خصائص مصطفی ﷺ سے متعلق امام فخر الدین رازی کا قول نقل فرماتے ہیں:

نبی کے خواص تین ہیں:

اس کی قوت عاقلہ: یعنی نتیجہ پر پہنچے کے لیے جن مقدمات کو مرتب کرنے کی ضرورت ہو وہ بڑی سرعت کے ساتھ ان کو مرتب کرتا جائے اور کسی غلطی اور خطاء کا ارتکاب کے بغیر وہ کسی نتیجہ پر پائی جائے۔

نبی کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حالت بیداری میں فرشتوں کو دیکھتا ہے اللہ کے کلام کو سنتا اور غیب کی خبریں جن کا تعلق زمانہ ماضی حال یا مستقبل سے ہے ان کی خبر دیتا ہے۔

نبی کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ذات اس جہان کے مادہ میں ہر قسم کا تصرف کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔یعنی وہ چشم زدن میں لکڑی کے ایک ڈنڈے کو اژدہا بنادیتاہے اور پانی کو خون میں تبدیل کر تا ہے۔[18]

ازدواج سے متعلق مباحث کا جائزہ

جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو انسانی زندگی کے اکثر شعبوں کی طرح یہ شعبہ بھی بغیر کسی قاعدے کلیہ کے چل رہا تھا۔ایک مرد کی کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں اور ایک عورت کے کئی کئی خاوند ہوتے تھے اس صورت حال سے انسانی معاشرہ جس کم کے مسائل سے دوچار ہو سکتا ہے اس کے تصور میں سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔اسلام نے اس شعبہ کے لیے تفصیلاً قوانین پیش کیے، عورت کو ایک سے زیادہ خاوند رکھنے سے منع کیا۔مرد کے لیے بیویوں کی تعداد مقرر کیا۔ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے لیے شرائط مقرر کیں۔اللہ تعالی نے مردوں کو بیویوں کی تعداد کے متعلق یہ حکم دیا:

''وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا '' [19]

''اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو،دو، دو سے تین تین سے اور چار چار سے ٔپس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کرسکو گے تو (صرف) ایک سے نکاح کرو، یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو یہ اس سے زیادہ قریب (بہ صحت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جھک جاؤ ''

لیکن مستشرقین نے اسلام کی ان نورانی تعلیمات کا اعتراف کرنے کی بجائے ان تعلیمات کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زہریلے پراپگینڈہ کے لیے استعمال کیا۔مستشرقین چوں کہ قرآن حکیم کو حضور ﷺ کے ایمان کی اختراع قرار دیتے ہیں اس لیے وہ ان قرآنی آیات کو بھی حضور کے کردار کو داغ دار کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔تعدد ازواج کے مسئلہ پر وہ تین پہلوؤں سے حضور ﷺ اور آپ پر تین پہلوؤں سے حملہ کرتے ہیں:

اولاً:ایک سے زیادو بیویاں رکھنے کی اجازت کو خواہش پرستانہ تعلیم قرار دے کر اسلام پر حملہ کرتے ہیں۔

ثانیا: حضور ﷺ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے مردوں کے لیے جو بیویوں کی حد مقرر کیا آپ نے خود اس پر عمل نہیں کیا اور اپنے لیے بیویوں کی تعداد کی کسی حد کو قبول نہیں کیا۔

ثالثاً:حضرت زینب سے حضور ﷺ کی شادی کو ایک افسانہ محبت بنا کر پیش کرتے ہیں۔اور اس طرح حضور ﷺ کو بندہ خواہشات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تعدد ازواج کے اسلامی قانون پر مستشرقین کے تبصرے

اسلام نے مسلمانوں کی ازدواج زندگی کے لیے جو حکیمانہ احکام دیئے ہیں ان تعلیمات سے مستشرقین نے اپنے خیال کے زور پر جو نتائج اخذ کیے ہیں ان کی وضاحت کرتے ہوئے منٹگمری واٹ لکھتا ہے۔

”ایک خاوند اور کئی بیویوں پر مشتمل گھرانہ جو مدتوں عیسائیوں کی نظروں میں اسلامی معاشرے کی خصوصی پہچان رہا وہ محمد ﷺ کے ذہن کی اختراع تھی۔ ممکن ہے آپ ﷺ سب سے پہلے اس کی چند مثالیں موجود ہوں لیکن یہ رسم عام نہ تھی اور خصوصاً اہل مدینہ کے لیے یہ بات بالکل نئی تھی۔“[20]

منٹگمری واٹ سورہ نساء کی وہ آیت جس میں چار تک بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اس پر تبصرہ کرتا ہے:

دل چسپ نکتہ یہ ہے کہ یہ آیت لا محدود کثرت ازواج کی سابقہ رسم کی حدبندی نہیں کر رہی، جن لوگوں کی چھ یا دس بیویاں تھیں یہ آیت ان سے یہ نہیں کہہ رہی کہ تمہیں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں اس کے بر عکس جن لوگوں کی ایک بیوی تھی یا دس بیویاں تھیں یہ آیت ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے کہ وہ چار چار شادیاں کریں اس آیت میں کسی پرانی رسم پر پابندی نہیں لگائی جا رہی بلکہ ایک چیز متعارف کرائی جا رہی ہے۔“[21]

تعدد ازواج کی رسم اسلام سے پہلے

منٹگمری واٹ کے جو اقتباسات درج کیے گئے ہیں ان میں وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ تعدد ازواج کا قانون اسلام کی اختراع ہے۔ اسلام سے پہلے یہ قانون عام نہیں تھا اور خصوصا مدینہ کے لوگ تو تعدد ازواج کے قانون سے کلیۃً نا آشنا تھے۔ منٹگمری واٹ کا یہ کہنا نہ صرف غلط ہے بلکہ جھوٹ بھی ہے اور تاریخ کے ساتھ مذاق بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے نہ تو بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی تھی اور نہ ہی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کے لیے کوئی شرط تھا۔ ہر مرد آزاد تھا کہ جتنی چاہے بیویاں رکھے اور ان کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ منٹگمری واٹ جو دعویٰ کر رہا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں میں ایک سے زیادہ بیویوں کا رواج نہ تھا وہ خود تسلیم کرتا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی ایک خاوند کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوئی تھیں وہ لکھتا ہے:

”کہا جاتا ہے کہ طائف کے ایک آدمی کی دو بیویاں تھی اور بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ وہ سب بیک وقت اس کے نکاح میں تھیں۔“[22]

لیکن منٹگمری واٹ یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ ایک آدمی کی دس بیویاں تھیں یہ کہتا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ دس کسی سماجی نظام کے مطابق تھیں اس لیے ہم اس ایک ایک آدمی کے عمل کو عام قانون تصور نہیں کر سکتے اس گفتگو سے منٹگمری واٹ نے نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ مدینہ میں یہ رواج نہیں تھا کہ ایک آدمی کی ایک سے زائد بیویاں ہوتیں جو اس کے ساتھ ان کے گھر میں تھیں۔ یہاں منٹگمری واٹ نے اپنے موقف کی مخالفت کرنے والی دلیل کو توڑ مروڑ کر اپنے حق میں استعمال کیا ہے۔ جو لوگ تاریخی حقائق سے اس طرح کے نتیجے نکال سکتے ہیں وہ کچھ بھی کہے سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے دین اور اس کے پیغمبر کی ذات میں وہی شخص کیڑے نکال سکتا ہے جس کا معیار تحقیق یہی ہو۔ ورنہ حقیقی محقق نہ رات کو دن کہہ سکتا ہے اور نہ ہی سورج کو بے نور کہنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ اسی طرح مستشرقین بائبل کا بنظر غور مطالعہ فرمانے کی زحمت گوارا کریں تو انہیں بے شمار ایسی مثالیں ہیں جہاں ایک آدمی کی کئی کی بیویاں تھیں۔ حضرت یعقوب، حضرت سلیمان اور حضرت داؤد کی متحد و ازدان پر بائبل گواہ ہے۔ فرانس کے بادشاہ عیسائی تھی اور کلیسا ان کا پورا پورا احترام کرتا تھا۔ ان فرانسیں بادشاہوں کی بھی کئی کئی بیویاں تھیں۔ اس گفتگو سے ثابت ہوا کہ اسلام سے پہلے تعدد ازواج کی رسم بغیر کی قید اور ضابطہ کے دنیا بھر میں موجود تھی اور کی مذہب نے اس کی بیخ کنی کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ شرف اسلام

کو حاصل ہے کہ اس نے اس رسم کی تمام شکلوں کو ممنوع قرار دے دیا جن سے فرد یا معاشرہ کا سکون برباد ہو سکتا تھا جن سے نسب میں اختلاط کا اندیشہ تھا یا جن کی وجہ سے مقاصد زوجیت فوت ہونے کا خطرہ تھا۔[23]

غزوات و سرایا

مستشرقین نے اذن جہاد کے حوالے سے اسلام کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا ہے۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو جہاد کا جو حکم دیا ہے اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام نے لوگوں کو بزور شمشیر مسلمان بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ الہامی دین کہلوانے کا مستحق صرف مذہب عیسائیت ہے۔ جس نے ایک رخسار پر تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا رخسار جارح کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کو الہامی دین کیسے کہا جا سکتا ہے جب کہ اس نے تلوار اٹھانے کی اجازت دے دی۔ عیسائیت کے برعکس اسلام کے تلوار کے زور سے پھیلنے کے متعلق جارج سیل ان خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

"اسلام کے انسانی زبان کے اختراع ہونے کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ اسلام نے اپنی ترویج و اشاعت کے لیے کلیۃً تلوار پر انحصار کیا۔ اور عیسائیت کے الہامی دین ہونے کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ وہ شخص اپنی صداقت کے زور پر دنیا کی تمام طاقتوں کی مخالفت کے باوجو زندہ رہا۔"[24]

منٹگمری واٹ نے اپنی مختلف تحریروں میں زور و شور سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو کوئی معقول ذریعہ معاش نہ تھا اس لیے انہوں نے عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی کاروانوں کو لوٹنے اور مختلف قبائل پر ڈاکے ڈالنے کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ لکھتا ہے

"کہ بدر کی مہم سمیت یہ مہمیں ڈاکے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ غیر ضروری خطرات مول لیے بغیر مال غنیمت اکٹھا کیا جائے۔"[25]

مستشرقین کی تحریروں کے ان اقتباسات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان کو اسلام اور پیغمبر اسلام پر دو بڑے اعتراض ہیں:

یہ کہ حضور ﷺ کی ایک مذہبی رہنما ہو کر تلوار کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے تلوار کو استعمال کیا۔ جب کہ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ ﷺ حضرت عیسیٰ کی طرح تلوار کی نہیں بلکہ امن کی دعوت دیتے۔

مستشرقین کو یہ اعتراض ہے کہ مسلمانوں نے تلوار کو صرف اپنے دین کی تبلیغ کے لیے ہی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے تلوار کو ذریعہ معاش بھی بنایا اور انہوں نے ڈاکہ زنی کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ یہاں پر ہم پہلے اعتراض کا جواب پیش کریں گے۔

ہم مستشرقین کو علم و عقل کا واسطہ دے کر ان سے پوچھتے ہیں اگر تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود ہو تو کیا حضور ﷺ فتح مکہ جیسے تاریخی موقع کو اس مقصد کے لئے استعمال نہ کرتے۔ مستشرقین جو الزام اسلام پر لگانا چاہتے ہیں اس کا صحیح مصداق تو ان کا اپنا پیارا دین عیسائیت ہے۔ عیسائی پوپ اور پادری اپنے دین کو بطور شمشیر پھیلانا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ جن جن ممالک میں عیسائیوں کی حکومتیں قائم ہو میں وہاں سے ان تمام مذاہب کا صفایا ہو گیا جو عیسائیت کی حکومت قائم ہونے سے پہلے اس علاقہ میں موجود تھے۔ سپین میں جب مسلمانوں کے اقتدار کا سورج غروب ہوا اور عیسائیت کے ہاتھوں اقتدار آیا تو سپین میں موجود مسلمانوں کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے کہ یا تو اپنا دین چھوڑ کر عیسائیت قبول کریں یا اپنے دین کی خاطر آگ کے جلتے ہوئے شعلوں میں جائیں۔ اسلام کے اپنی تعلیمات کی کشش کے زور پر پھیلنے اور اشاعت اسلام میں تلوار کا عمل دخل نہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ

آج امریکہ ساری دنیا کا چوہدری بنا ہوا ہے اور دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جس کی داخلی پالیسیوں میں مداخلت کرنا امریکہ اپنا حق نہ سمجھتا ہو۔ آج دنیا میں کوئی مسلمان حکومت ایسی نہیں جو امریکہ کے شہریوں کو بزور شمشیر مسلمان بنانے کی طاقت رکھتا ہو، لیکن اس کے باوجود امریکہ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، یورپ کا کوئی ملک ایسا نہیں جس کی فضاؤں میں اذان کی آواز نہ گونجتی ہو اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں کہ جس کے کثیر افراد نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام کے دامن میں پناہ نہ لیا ہو۔ حق یہ ہے کہ حضور ﷺ کے پاک دامن پر الزام لگانے والے جس طرح اپنے دیگر الزامات میں جھوٹے ہیں اسی طرح ان کا یہ الزام بھی جھوٹا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے تلوار استعمال کیا۔ حضور ﷺ کا دامن دیگر الزامات کی طرح اس الزام سے بھی پاک ہے۔[26]

خلاصہ کلام

سیرت رسول ﷺ پر عمل کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

غیر مسلموں کے رد کے لیے علم کلام کو جاننا ضروری ہے۔

سیرت نگاروں نے علم کلام پر مدلل مباحث کی ہیں، جن کا گہرائی سے مطالعہ ضروری ہے۔

رسول اللہ سلم کی ذات کے بارے میں غیر مسلموں کے جملہ اعتراضات کا علم ہونا نیز ان کے رد کا طریق کار بھی معلوم ہونا لازم ہے۔

کلامیات سیرت کے مفہوم اور موضوعات کا جاننا ضروری ہے۔

دور جدید میں جب ہر بات کو عقل پر پرکھا جا رہا ہے تو اس پس منظر میں بھی علم الکلام کو جاننا لازم ہے۔

اسلام اور سیرت رسول ﷺ پر کیے گئے اعتراضات کو حقیقی معنوں میں علم الکلام کی روشنی میں رد کیا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات

[[1]] PhD Scholar, Dept of Islamic Learning, University of Karachi, anwarulhaqabbasi304@yahoo.com

[[2]] M.phil, Islamia University of Bhawalpur

[3]۔ المنجد خزینہ علم وادب لاہور، ص ۷۴۵

[4]۔ جرجانی، علی بن محمد، التعریفات، دار القلم، بیروت ۱۹۸۳، ص ۴۵۸

[5]۔ ابو عمار زاہد الراشدی، علم الکلام اور اس کے جدید مباحث ماہنامہ الشریعہ اپریل ۲۰۱۳، ص ۲

[6]۔ محمود احمد غازی، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور ۲۰۰۹ء ص ۴۶۵

[7]۔ الازہری، پیر کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلیکشنز، لاہور، ۱۴۲۰ھ، ۱/۳۹۱

[8]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۲/۲۰۵

[9]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۲/۲۰۵

[10]۔ الحجر ۱۵:۱۰

[11]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۵/۶۰۱

[12]۔ الاحزاب ۳۳:۶۲

[13]۔ فاطر ۳۵:۴۳

[14]۔ البقرہ ۲:۱۷۹

[15]۔ الحجر ۱۵:۹

[16]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، حدیث ۴۲۱۰

[17]۔ ایضاً

[18]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۵/ ۶۰۸

[19]۔ النساء ۴:۳

[20]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۷/ ۴۱۱

[21]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۷/ ۴۱۲

[22]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۷/ ۴۲۲

[23]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۷/ ۴۲۴

[24]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۷/ ۵۳۴

[25]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۷/ ۵۳۴

[26]۔ الازہری، کرم شاہ، ضیاء النبی، ۷/ ۵۶۰